تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی

حضرت مولانا ارشاد الحق صاحب اثری، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد

آخری قسط

گستاخی کا مرتکب کون؟ مقلد یا غیر مقلد

مفتی صاحب نے اپنے ترکش کا آخری تیر یوں چلایا کہ "جب کوئی غیر مقلد بنتا ہے تو اس کی فطرت و طبیعت آزاد ہو جاتی ہے اور وہ خیال کی وادی میں ہر جگہ منہ مارتا پھرتا ہے۔ حق و باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور غیر مقلد بننے کے بعد آدمی گستاخ و بے ادب ہو جاتا ہے یہ غیر مقلد حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام اس طرح لیتے ہیں جیسے ان کی کوئی حیثیت نہیں"۔ (بینات ص ۱۹)

یہاں حضرت مفتی صاحب نے ایک ہی سانس میں دو باتیں کہہ دیں پہلی یہ کہ غیر مقلد کی طبیعت آزاد ہو جاتی ہے وہ خیال کی وادی میں ہر جگہ منہ مارتا پھرتا ہے" دوسری یہ کہ غیر مقلد گستاخ اور بے ادب ہو جاتا ہے، جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم قارئین کرام سے درخواست کریں گے کہ وہ ایک بار پھر ہماری ابتدائی گزارشات ملاحظہ فرمائیں جہاں ہم ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جن فتنوں کا اظہار حضرت مفتی صاحب نے کیا ہے۔ وہ فتنہ وضع حدیث کا ہو یا انکارِ حدیث کا ان میں جزوی طور پر تمام مقلدین خصوصاً احناف مبتلا رہے ہیں جہاں تک مختلف فیہ مسائل میں غیر مقلدین کے نقطہ نظر کا تعلق ہے تو وہ بالکل صاف وشفاف اور واضح ہے کہ کتاب وسنت کے مطابق عمل کیا جائے۔ امام کا قول اگر کتاب وسنت کے مطابق ہے تو ٹھیک۔ اس صورت میں اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر امام کا قول کتاب وسنت کے خلاف ہے تو ایسی صورت میں اس امام کو موردِ الزام نہ بنایا جائے گا۔ کیونکہ وہ مجتہد ہے اجتہاد میں اگر اس سے غلطی بھی ہوئی تو وہ بموجب فرمانِ نبوی ثواب سے محروم نہیں ہوگا۔ خود ان ائمہ کرام کا حکم یہی ہے کہ "اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ کا یہی فکر ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں مگر مفتی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کو شاہ ولی اللہ کا یہ اندازِ فکر پسند نہیں اسی بنا پر فرماتے ہیں کہ غیر مقلد خیال کی وادی میں ہر جگہ منہ مارتا پھرتا ہے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات مسائل میں آسانیاں تلاش کرتے اور تلفیق پر عمل کرتے ہیں۔ یہ حضرات جو سمجھتے ہیں سمجھیں اور رجماً بالغیب جو الزام دینا چاہتے ہیں دیں۔ ہم واشگاف الفاظ میں اظہار کرتے ہیں کہ ہم مسائل اور اپنے عمل کی بنیاد کسی امام کے قول کو نہیں سمجھتے بلکہ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے قول وعمل کو سمجھتے ہیں۔ مقلد کی طرح یوں نہیں کہتے" ھذا الحکم واقع عندی لانہ ادی رای ابوحنیفہ (توضیح) کہ یہ حکم میرے نزدیک اس بنا پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی یہ رائے ہے علامہ کرخی کے "مشورہ" کو بھی قطعاً قبول نہیں کرتے کہ قرآن پاک کی جو آیت یا حدیث مذہب حنفی کے خلاف ہو تو اس کی تاویل کی جائے گی یا نسخ پر محمول کیا جائے گا۔ ماہنامہ تجلی حنفی (دیوبندی) مسلک کا نقیب ہے جس کے پہلے مدیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کے بھیرہ مولانا عامر عثمانی مرحوم تھے ان سے پوچھا گیا کہ" حافظ صاحب کی عمر ۱۲، ۱۳ سال ہے کیا اس عمر میں حافظ صاحب کی امامت درست ہے اگر ہے تو حدیث رسولؐ سے جواب دیں،" اس کے جواب میں جو انہوں نے رقم فرمایا وہ پڑھ لیجئے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

" پندرہ سال سے کم عمر کا لڑکا نابالغ سمجھا جائے گا الا یہ کہ کسی فیصلہ کن علامت سے اس کا بلوغ ثابت ہو جائے فرض نمازوں میں نابالغ کی امامت بالغوں کے حق میں درست نہیں نابالغ پر چونکہ نماز فرض نہیں ہوتی لہذا اس کی نماز کا درجہ نفل کا ہے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والوں کی نماز احناف کے نزدیک نہیں ہوتی۔ البتہ تراویح نابالغ حافظ کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ یہ تو جواب ہوا اب چند الفاظ اس فقرے کے بارے میں بھی دیں جو آپ نے سوال کے اختتام پر سپرد قلم کیا ہے یعنی" حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دیں"۔

اس نوع کا مطالبہ اکثر سائلین کرتے رہتے ہیں یہ دراصل اس قاعدے سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ مقلدین کے لیے حدیث و قرآن کے حوالوں کی ضرورت نہیں بلکہ ائمہ و فقہاء کے فیصلوں اور فتووں کی ضرورت ہے حدیث و قرآن تو جملہ قوانین شرعیہ کا ماخذ اور سرچشمہ ہیں۔ ان کے معانی و مطالب اور غوامض و اسرار پر غور کرنا اونچے درجے کے فقہاء و مجتہدین کا کام ہے نہ کہ عوام کا عوام کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کے جواب پر اطمینان کریں جنہیں وہ مستند خیال کرتے ہوں" (تجلی دیوبند ص۴۲ جلد ۱۹ شمارہ ۱۱ جنوری فروری ۱۹۶۸ء)

لیجئے جناب بات وہی ہوئی جو صاحب توضیح نے سمجھائی تھی کہ مقلد کی دلیل امام کا قول ہوتا ہے برعکس غیر مقلد کے کہ اس کے نزدیک دلیل امام کا قول نہیں بلکہ دلیل قرآن یا حدیث ہے خود حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ" حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی"۔ کہ جو میرے فتویٰ کی دلیل سے بے خبر ہے اسے میرے قول کے مطابق فتویٰ دینا حرام ہے۔ (میزان شعرانی ص۵۸ ج۱) فقیہ ابواللیث سمرقندی نے قاضی ابویوسف، زفرؒ اور عاصم رحمہم اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ" لایحل لاحد

یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلناہ" کہ کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول کے مطابق فتویٰ دے جب تک اسے ہمارے قول کا ماخذ معلوم نہ ہو (فتاوی النوازی صہ۱۸۳) اسی اصول اور ائمہ کے اس حکم کی بنا پر قاضی ابو یوسف کے شاگرد عصام بن یوسف نماز میں رفع الیدین کیا کرتے تھے (الفوائد البہیہ صہ۱۱۶) اور ابنِ عابدین نے تو نقل کیا ہے کہ۔

"ھذا سبب مخالفۃ عصام الامام وکان یفتی بخلاف قولہ کثیرا لانہ لم یعلم الدلیل وکان یظھرلہ دلیل غیرہ فیفتی بہ" (رسم المفتی در مجموعہ رسائل صہ۲۸)

"یہی سبب تھا جس کی بنا پر عصام بن یوسف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کرتے اور ان کے اقوال کے خلاف باکثرت فتویٰ دیتے کیونکہ وہ امام صاحب کی دلیل سے بے خبر ہوتے اور دوسروں کے قول کی دلیل معلوم ہونے کی بنا پر اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔" مگر وائے افسوس کہ تقلید و جمود کے دور میں سمجھ لیا گیا کہ اب ہمیں "حدیث و قرآن کے حوالوں کی ضرورت نہیں۔ فقہاء کے فیصلوں کی ضرورت ہے" اب آپ ہی خدارا دل لگتی کہیے کہ امام کے قول کی پاسداری کس نے کی؟ اگر عصام بن یوسف اس طرزِ عمل کے باوجود موجب الزام نہیں تو غیر مقلد اہلِ حدیث ہی مطعون کیوں ہیں؟۔

یوں کہنے کو تو حضرت مقلدین نے تقلید کے دامن کو بڑی مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور امام صاحب کے فتویٰ کو حرزِ جان بنا لیا ہے کہ بقول ان کے وہی بڑے عالم تھے۔ لیکن بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو یہ محض طفل تسلی ہے کتب فقہ میں مفتی کے آداب و شرائط دیکھ لیجئے کہ اسے کس کس بات کی تلقین کی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ۔

۱۔ عبادات میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال پر فتویٰ دے۔

۲۔ قضاء کے معاملات میں قاضی ابو یوسف کے اقوال پر فتویٰ دیا جائے۔

۳۔ فرائض میں ذوالارحام کے مسائل میں امام محمد کے اقوال پر فتوی دیا جائے۔

۴۔ سترہ مسائل ایسے ہیں جن میں امام زفر کے اقوال پر فتویٰ دیا جائے۔

۵۔ امام صاحب اور قاضی ابو یوسف اور محمد کے مابین اختلاف ہو تو اسے اختیار ہے جس پر چاہے فتوی دے۔ (۶) اور یہ بھی کہا گیا کہ ان میں سے جس کی دلیل قوی ہو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

۷۔ مزارعت اور معاملات میں صاحبین کے فتویٰ پر عمل کرے۔

۸۔ تینوں امام ایک طرف ہوں روایت بھی ظاہر الروایت ہو مگر ضرورت اور عرف کے مطابق فتویٰ دیا جائے گو وہ ظاہر الروایت کے منافی و مخالف ہو۔ عرف و ضرورت کی اہمیت پر علامہ ابنِ عابدین

نے تو ایک مستقل رسالہ بنام" نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" کے نام سے لکھا ہے جو ان کے مجموعہ رسائل میں مطبوع ہے اور اس میں ان بیسوں مسائل کی نشاندہی کی ہے جن میں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے متاخرین نے ظاہر الروایت کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ ان امثلہ کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں۔

"فهذا کله وامثاله دلائل واضحة علی ان المفتی لیس له الجمود علی المنقول فی کتب ظاهر الروایة من غیر مراعاة الزمان واهله وإلا یضیع حقوقا کثیرة ویکون ضرره اعظم من نفعه الخ

(مجموعہ رسائل ص۱۳۱ ج۲)

یعنی یہ ساری بحث اور یہ تمام مثالیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ مفتی کا اہل زمانہ کی رعایت کے لیے بغیر صرف ظاہر الروایت پر جمود کرنا حقوق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے جس کا نقصان فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔ بلکہ انہوں نے تو عرفِ عام کے علاوہ عرف بلد کا لحاظ رکھنے کی بھی مفتی کو تلقین کی ہے۔ (ص ۱۳۲ - ج ۲)

۹۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ ظاہر الروایت کے خلاف ضعیف اور شاذ روایت پر بھی ضرورت کے وقت عمل جائز ہے۔ ان تمام اقوال کی تفصیل علامہ ابن عابدین کے رسالہ عقود رسم المفتی میں دیکھی جاسکتی ہے جو ان کے مجموعہ رسائل میں مطبوعہ ہے بلکہ علامہ زاہد کوثری تو فرماتے ہیں کہ وقف و مزارعت کے مسائل جو امام ابو حنیفہ سے منقول ہیں وہ بنیادی طور پر صحیح نہیں چنانچہ موصوف امام شافعی کے قول" ابوحنیفه یضع المسألة خطا ثم یقیس الکتاب کله علیها" کہ ابوحنیفہ ایک غلط مسئلہ کو بنیاد بناتے ہیں پھر اس پر قیاس کرتے ہیں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولابی حنیفة ابواب فی الفقه من هذا القبیل ففی کتاب الوقف أخذ بقول شریح القاضی وجعله أصلا ففرع علیه امسائل فاصبحت فروع هذا الکتاب غیر مقبولة حتی ردها صاحباه وهکذا فعل فی کتاب المزارعة حیث أخذ بقول ابراهیم النخعی وجعله اصلا ففرع علیه الفروع الخ -

(تانیب الخطیب ص۲۰۳)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ایسے فقہی مسائل ہیں چنانچہ کتاب الوقف میں قاضی شریح کے قول کو اصل قرار دے کر ان پر مسائل کا استنباط کیا جس کی بنا پر اس کتاب کی فروعات غیر مقبول ٹھہریں یہاں تک کہ ان کے دونوں شاگردوں نے بھی ان مسائل کو مسترد کر دیا۔ اسی طرح کتاب المزارعۃ میں ابراہیم نخعی کے قول کو اصل قرار دیتے ہوئے اس پر تفریعات قائم کیں"۔ گویا کوثری صاحب

نے اعتراف کیا ہے کہ وقف و مزارعت کے بارے میں امام صاحب کے بیان کردہ مسائل درست نہیں اور اسی سے اس دعویٰ کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ امام صاحب کے مسائل کا ماخذ قرآن وسنت ہے اور ان کے تمام مسائل ان ہی سے مستنبط ہیں۔ اس سے شاہ ولی اللہ کا یہ قول بھی بالکل سچا ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کے فتاویٰ کا ماخذ ابراہیم نخعی اور ان کے دیگر اقران کے اقوال ہیں (حجۃ اللہ ص ۱۴۶ ج ۱)

وقف کے مسئلہ میں تو امام محمد کا انداز بڑا سخت بلکہ جارحانہ ہے۔ وہ امام صاحب کے قول کو تحکم اور سینہ زوری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ہم بلا دلیل بات ماننے کے لیے تیار نہیں اگر تقلید جائز ہوتی تو حسن بصری اور ابراہیم نخعی زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جائے۔ ان کے الفاظ بھی پڑھ لیجئے علامہ سرخسی لکھتے ہیں۔

وقد استبعد محمد رحمه الله قول ابي حنيفة في الكتاب لهذا وسماه تحكما على الناس من غير حجة . . . ولوجاز التقليد كان من مضى من قبل ابي حنيفة مثل الحسن البصري وابراهيم النخعي رحمهما الله احرى ان يقلدوا" (المبسوط ص ۲۸ ج ۱۲)

" اس بناء پر امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کو مسترد کر دیا اور ان کو بلا دلیل بات محض تحکم قرار دیا اور فرمایا کہ اگر تقلید جائز ہوتی تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کے لوگ مثلاً حسن بصری اور ابراہیم نخعی اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے۔" مزید برآں ضرورت اور مشکلات کے وقت دیگر ائمہ فقہ کے قول پر فتویٰ کی بھی اجازت ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی الحیلۃ الناجزہ اسی قاعدے کی صدائے بازگشت ہے۔ علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری تبیھاً اپنی املائی تقریر میں فرماتے ہیں۔

واعلم ان الفتوى قد يكون على الاقوى دليلا وقد يكون على الارفق بالناس وقد يكون على الموافق لعرف بلدة وقد يكون على الارفق بالحديث وقد يكون على الموافق لامام من الائمة المجتهدين" (العرف الشذی ص ۱۲۲)

معلوم ہونا چاہیے کہ فتویٰ کبھی تو مضبوط دلیل کی بناء پر دیا جانا چاہیے۔ کبھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ عوام کی سہولت کس بات میں ہے۔ کبھی عرف بلا پر دیا جاتا ہے اور کبھی حدیث کے مطابق دیا جاتا ہے اور کبھی ائمہ (اربعہ) مجتہدین کے اقوال پر دیا جاتا ہے۔

اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ جب ایک مفتی کے لیے فتویٰ میں ان حدود کی رعایت ضروری ہے تو پھر میاں صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی تقلید کا کیا معنی ؟

اہل علم کا تفرد ہر دور میں رہا ہے اگر کسی "غیر مقلد" کا تفرد آزادی کی دلیل اور اس بات کا ہے کہ "غیر مقلد" ہر جگہ منہ مارتا پھرتا ہے تو معاف کیجئے۔

این گناہ ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

دور کی جانے دیجئے ماضی قریب میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ سے کون حنفی بالخصوص دیوبندی واقف نہیں ان کے افکار کیا تھے۔ یہاں ان پر تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ اہلِ حدیث کے خلاف ان کی "تاریخ سازی" اور ان کی عداوت سے کون بے خبر ہے؟ مگر دعویٰ تقلید کے باوجود فرماتے ہیں۔

"کتب فقہاء کو حدود و تعزیرات کے معاملہ میں اسلام سے منسوب نہ کرنا چاہیے اور تحقیق کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے" (الہام الرحمٰن ص ۳۲۸ ج ۱)

چند دنوں کی بات ہے کہ رجم کو "حد" قرار نہ دینے والوں کے بارے میں منکر حدیث کا فتویٰ سرزد ہوا تھا مگر آپ حیران ہوں گے کہ مولانا سندھی بھی رجم کو "حد" قرار نہیں دیتے بلکہ تعزیر سمجھتے ہیں لکھتے ہیں۔

"قطع ایدی سے بڑھ کر کیا عذاب ہو سکتا ہے یا رجم بالحجارہ سے بڑھ کر کیا عذاب ہو سکتا ہے یہ دونوں سزائیں عادی مجرم کے لیے ہیں۔ جب ہم نے نوجوانوں سے عمل بالقرآن کے متعلق کہا تو انہوں نے جواب دیا قطع ایدی اور رجم آج کے زمانہ میں ممکن نہیں تو میں نے کہا رجم قرآن میں نہیں اگر تم عادی زانیوں کو رجم نہیں کرنا چاہتے تو ہم مجبور نہیں کرتے خواہ ہم اسے عادی بھی پائیں گے۔" (الہام الرحمٰن ص ۳۲۹ ج ۱)

چوری کی حد کے بارے میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں۔

"شارع نے سونے کی چوری کے متعلق یہ حد مقرر کی ہے اور سونے کے علاوہ اس حد کو عام کرنا سب غیر شرعی ہے"۔ (ص ۳۳۰ ج ۱)

حیات مسیح کا عقیدہ پوری امت کے ہاں مسلمہ ہے اکابرین دیوبند نے بھی اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں مگر مولانا سندھی فرماتے ہیں۔

"یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے۔ مسلمانوں میں فتنہ عثمان کے بعد بواسطہ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی اور یہودی تھے۔" ایضاً ص ۲۴ ج ۱

اب اس آزاد خیالی کے بارے میں برائے کرم حضرت مفتی صاحب ہی وضاحت فرمائیں کہ اس کا حکم کیا ہے؟ کیا مولانا سندھی غیر مقلد تھے؟ کہ وہ حدود کے بارے میں کتب فقہ سے اظہار بیزاری فرماتے ہوئے انہیں اسلام ہی کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسی شخصی آراء کو اس کی پوری جماعت کے کھاتے میں ڈالنا بے انصافی ہے اور ایسی مثالوں کی بنیاد پر پوری جماعت کو موردِ الزام ٹھہرانا

مناسب نہیں۔

اب آیئے ذرا حضرت مفتی صاحب کی دوسری بات کا بھی جائزہ لیجئے کہ "غیر مقلد بننے کے بعد آدمی گستاخ و بے ادب ہو جاتا ہے" الخ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے حدیث رسول کے متعلق مقلداً افکار کی مختصر نشاندہی ہم پہلے کر چکے ہیں کیا مقلدین کا یہ انداز حدیث شریف کی گستاخی کے مترادف نہیں؛ پھر اپنے مسلکی تحفظات کے لیے حضرات صحابہ کرام پر اعتراض کرنا اور ان نفوس قدسیہ کے بارے میں عجیب و غریب اقوال و واقعات اپنی مستند کتابوں میں ذکر کرنا جن سے انکا استخفاف ٹپکتا ہو کیا یہ گستاخی نہیں؟ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کو غیر فقیہ کہہ کر ان کی وہ احادیث جو "حنفی رائے" کے مخالف ہوں نظر انداز کرنا اصول بزدوی سے لے کر نورالانوار تک فقہ حنفی کی تمام اصولی کتابیں میں منقول ہے ان اکابر و اصاغر کا مسلسل چھ سات سو سال تک یہ "وظیفہ" کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہیں۔ بتلایا جائے اس سے آخر ان کی کیا عزت رہی ؟ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اعتراض نقل کیا ہے۔ جس کے جواب میں علامہ زاہد کوثری حنفی نے اس قول کی سند پر محاکمہ کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی معاف نہیں کیا۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں حضرت انس منفرد ہیں اور اسے انہوں نے بڑھاپے کی حالت میں جبکہ ان کا حافظہ صحیح نہیں رہا تھا بیان کیا ہے" ملخصاً (تانیب الخطیب ص۱۱) کوثری صاحب کی اس جسارت پر مولانا عبدالرحمن یمانی نے تفصیلی نقد کیا ہے وہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوثری سے قبل کسی نے ایسی بات کہی ہو۔ ان کے الفاظ ہیں۔

"ولا اعرف احدا قبل الکوثری زعم ھذا" طلیعۃ التنکیل ص۶۶

غور فرمایئے کوثری صاحب کی "ہوس دفاع"! ان کی تنقید اس قول کی سند تک محدود نہیں بلکہ اس حدیث کے راوی صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی معاف نہیں کیا۔ کوثری کے اس تصنیف کا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دفاع میں انہوں نے تابعین عظام سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک کے اکابر محدثین پر کس قدر عمل جراحی فرمایا ہے ان کے تیر و نشتر سے اور تو کیا امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام حمیدی رحمہ اللہ، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، امام دارقطنی رحمہ اللہ امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ، امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، امام ابو عوانہ رحمہ اللہ، الوضاح بن عبداللہ رحمہ اللہ، اور محمد یوسف فریابی رحمہ اللہ، حماد بن سلمۃ رحمہ اللہ، عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے اکابر محدثین محفوظ نہیں رہے اور انہی کی اقتداء میں کوثری المشرب حضرات جو کچھ لکھ اور کہہ رہے ہیں۔ اس کا بھی ہمیں علم ہے

مگر ہم یہاں صرف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے بارے میں مقلدین حضرات کی روش کے اظہار پر اکتفاء کریں گے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس سلسلے میں انہی کا نام لیا ہے ۔ ؎

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

حضرت انس رضی اللہ عنہ، ہی کے متعلق "قاضی خان" میں ہے کہ وہ انواع واقسام کے کھانے خوب پیٹ بھر کر کھاتے اور پھر قئے کر دیا کرتے تھے ۔ (معاذ اللہ) ان کے الفاظ ہیں " یاکل الوانا من الطعام و یکثر ثم یتقیا" (قاضی صاحب ص۴۰۲ ج ۳) حالانکہ یہ گھٹیا فعل تو اس دور کے گئے گزرے بزرگ سے متوقع نہیں چہ جائیکہ اس کا انتساب صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ، کی طرف کیا جائے۔ جن کا شمار زہاد صحابہ کرام میں ہوتا ہے جیسا کہ حافظ ابن جوزی نے "صفوۃ الصفوۃ" ص ۱۶۱ ج ۱ میں اس کا ذکر کیا ہے

حضرت وابصہ بن معبد صحابیٔ رسول ہیں مگر اصول بزدوی سے لے کر نورالانوار تک کی حنفی اصول فقہ کی کتب میں راویوں کے احوال بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ مجہول الروایت کی حدیث مقبول نہیں اور اس کے لیے مثال کے طور پر حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ، کا نام لیا گیا (معاذ اللہ) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں والی حضر موت کے بیٹے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد کی پیشگی بشارت دی اور جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے اپنی چادر بچھا کر اس پر انہیں بٹھایا۔ ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعا برکت فرمائی ۔ مگر چونکہ حدیث رفع الیدین کے راوی ہیں اسی لیے ابراہیم نخعی اور پھر ان کے بعد تمام علمائے احناف قرناً بعد قرن کے یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ وائل تو دیہاتی تھے انہیں دین کے احکام کا علم نہ تھا۔" اعرابی لا یعرف شرائع الاسلام" (جامع المسانید ص۳۵۸ ج۱ للخوارزمی)

اس عبارت پر شیخ محمد عابد سندھی نے المواہب اللطیفہ اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے التعلیق الممجد میں اظہارِ افسوس کیا ہے مگر احناف کا کیا انہیں حضرت وائل کی حدیث کا ایک جواب تو مل گیا۔

ہدایہ جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے اس میں خطبہ جمعہ کی کم سے کم مقدار بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ امام اگر صرف (الحمد للہ) کہہ کر منبر سے اتر آئے تو خطبہ صحیح ہے اس مسئلہ پر استدلال کی بنیاد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، کے ایک مخترعہ واقعہ پر ہے کہ جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے اور پہلی مرتبہ خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر چڑھے تو الحمد للہ کہتے ہی آپ پر لرزا طاری ہو گیا اور اس قدر کپکپی غالب ہوئی کہ الحمد للہ کے سوا اور کچھ بول ہی نہ سکے۔ پھر اس پر حاشیہ میں جو حاشیہ آرائی کی گئی وہ بجائے خود عبرتناک ہے۔ ہمیں بتلایا جائے کہ خلیفہ راشد حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کے بارے میں اس قسم کا تاثر کسی اہلِ سنت کی زبان وقلم کو زیب دے سکتا ہے؟ مگر بدنام پھر اہلِ حدیث یعنی "غیر مقلد" گروہ گستاخ ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کا فتویٰ ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں تو ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے فیصلہ جائز ہے۔ اس فتویٰ میں وہ منفرد بھی نہیں خلفاء راشدین اور فقہاء سبعہ مدینہ کا بھی یہی فتویٰ ہے ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے نیل الاوطار صفحہ ٢٩/٨ ۔ علامہ نووی فرماتے ہیں صحابہ کرام اور تابعین عظام میں جمہور اہل اسلام اور ان کے بعد علماء امصار کا یہی فتویٰ ہے۔ (شرح مسلم صفحہ ٧٤/٢) مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور چند دیگر فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے فقہی مسائل میں اختلاف بعید بھی نہیں مگر یہاں علمائے احناف کی روش بڑی افسوسناک ہے چنانچہ درسی کتاب شرح وقایہ میں اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

"رای الیمین علی المدعی بدعۃ واول من قضا بہ معاویہ" (کتاب الدعویٰ)

کہ مدعی سے قسم لینے کی رائے بدعت ہے اور سب سے پہلے اس بنیاد پر فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ، نے کیا۔ علاوہ ازیں اصول فقہ حنفی میں "مبحث الاھلیۃ" کے تحت کہا گیا ہے کہ جہالت کی ایک نوع ایسی ہے جس کی قیامت کے روز بھی معافی نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کے بارے میں یہ عذر سنا جائے گا کہ مجھے اس کا علم نہ تھا۔ جیسا کہ معاندین کا کفر یا معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کا عذاب قبر، رؤیت باری تعالے اور شفاعت کا انکار وغیرہ۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک مثال یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ۔

"کجھل الشافعی فی جواز القضاء بشاھد ویمین فانہ مخالف للحدیث المشھور وھو قولہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر واول من قضی بہ معاویہ" (نور الانوار صفحہ ٣٠٠ مطبوعہ ١٩٥٢ء)

جیسے امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ جہالت کہ انہوں نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دینے کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ مشہور حدیث کے خلاف ہے جس میں حکم ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں۔ اور مدعی علیہ پر قسم ہے اور اس فیصلہ پر سب سے پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ، نے فیصلہ کیا ہے۔

لیجئے جناب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک ایسی جہالت ہے۔ قیامت کے روز بھی انہیں معافی نہیں ملے گی (معاذ اللہ) یہ کسی رافضی کا الزام و اعتراض نہیں بلکہ اپنے آپ کو حنفی مقلد کہلانے والے اہل السنت والجماعت کا الزام ہے ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس فتویٰ میں امام شافعی رحمہ اللہ، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمنوا "جمھور اھل الاسلام من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من علماء الامصار" (النووی) بھی ہیں بنا بریں اس جہالت کا مرتکب تنہا امام شافعیؒ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کو نہ سمجھا جائے ان تمام حضرات کے بارے میں بھی ان کی گویا یہی رائے ہے۔ اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ مؤلف نور الانوار شیخ احمد المعروف

بملاجیون "جہل" کی یہ مثالیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"قد نقلنا کل هذا علی نحو ما قال اسلافنا وان کنا لم نجترء علیہ"

کہ ہم نے یہ سب کچھ وہی نقل کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے کیا ہے اگرچہ ہم اس کی جرأت نہیں کرتے اور اسی "وان کنا لم نجترء" کے الفاظ پر محشی رقمطراز ہیں "لان فی هذا البیان سوء الادب" کیونکہ اس بیان میں سوء ادب ہے۔ لیجئے جناب گستاخی کا اقرار بھی موجود مگر غریب ملاجیون کا انداز معذرت خواہانہ ہے کہ ہم کیا کریں ہمارے اسلاف یوں ہی کہتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ بالکل بجا ہے جبکہ جہل کی یہ مثالیں اصول بزدوی توضیح تلویح وغیرہ تقریباً سبھی اصول کی کتابوں میں زیر بحث "مبحث الاهلیة" موجود ہیں۔ اور "التوضیح" کے الفاظ ہیں۔

"وذکر فی المبسوط ان القضاء بشاهد ویمین بدعة واول من قضی به معاویہ"

(التوضیح ص ۳۱۱ مطبوعہ ۱۲۹۲ نولکشور)

جس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ جیون کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہمارے اسلاف ہی یوں کہتے آئے ہیں "المبسوط" کے مصنف شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل ہیں جو ۴۹۹ھ میں فوت ہوئے اور جو امام محمد رحمہ اللہ کی الظاہر الروایات کے جامع "الحاکم الشہید" کی الکافی کے شارح ہیں اور اسی شرح کا نام المبسوط ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے۔ لا یعمل بما یخالفه ولا یرکن الا الیه ولا یفتی ولا یعول الا علیه" کہ المبسوط کے خلاف جو قول ہوگا اس پر عمل نہ کیا جائے۔ نہ اس کی طرف توجہ دی جائے اور نہ ہی اس کے خلاف فتویٰ دیا جائے گویا صاحب التوضیح فرماتے ہیں کہ شمس الائمہ سرخسی نے بھی المبسوط میں یہی کہا ہے کہ قسم اور گواہ کے ساتھ فیصلہ کی بدعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جاری کی تھی۔ گو ملاں جیوں معترف ہیں کہ۔

ع نہ تنہا من ہمیں در میخانہ مستم

مگر افسوس اور صد افسوس کہ متواتراً اس گستاخی کے ارتکاب کے باوجود گستاخ پھر بھی غریب اہلحدیث

انا للہ وانا الیہ راجعون"

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اسی نوعیت کی ایک مثال اور دیکھ لیجئے۔ عیدین کی زائد تکبیرات کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ بارہ ہیں یا چھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی اتباع میں علمائے احناف عیدین کی چھ تکبیروں کے قائل ہیں مگر دیگر ائمہ کرام بارہ تکبیروں کے قائل ہیں فریقین کے دلائل سے قطع نظر یہاں

صرف یہ دیکھئے کہ چھ سے زائد تکبیریں کہنے والوں کے متعلق احناف کا طرزِ تکلم کیا ہے ؟۔

چنانچہ عہدِ حاضر کے نامور حنفی وکیل حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں کہ

"حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے زائد تکبیروں کو بدعت قرار دے کر ترک کر دیا ہے ۔"

(حکم الذکر بالجہر ص ۹)

اس سلسلے میں انہوں نے قاضی خاں اور ہدایہ وغیرہ کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں مگر تقاضائے اختصار کے باوجود یہ بحث ضرورت سے زیادہ طویل ہو گئی ہے اسی بنا پر ہم نے صرف مولانا صفدر صاحب کے الفاظ نقل کرنے پر اکتفا کی ہے ۔ جس سے نتیجہ ظاہر ہے کہ چھ سے زائد تکبیریں بدعت ہیں ۔ اب سوچیئے کہ اس بدعت کے مرتکب کون ہیں ؟ تو آپ اس کے مرتکب حضرات صحابہ کرام میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، وغیرہ تابعین میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ مکحول اور فقہاء سبعہ مدینہ، ائمہ فقہا میں سے امام مالک رحمہ اللہ، احمد اسحاق رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ کو پائیں گے ۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان حضرات کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے "نمائی پیروکاروں کا کیا فتویٰ ہے ؟ مگر صد افسوس کہ گستاخ پھر بھی اہلحدیث "غیر مقلد" امید ہے کہ علماء احناف ان گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرماتے ہوئے آئندہ کے لیے اپنی کج فکری کی اصلاح کی کوشش فرمائیں گے ۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل، آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

وی ۔ پی ۔ آرہا ہے

ترجمان الحدیث کے جن معاونین کرام کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے انہیں اطلاع دینے کے بعد پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جا رہا ہے ۔ جس کا وصول کرنا ان کا جماعتی اور اخلاقی فریضہ ہے ۔

****